نگارشات

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بسلسلۂ چہاردہ صد سالہ یادگار مرتضویؑ ۱۳۷۶ھ

(۱) الٰہیات کے سو مسائل

از کلام امام العارفین امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ

یاد رکھنا چاہئے کہ دور امیر المومنینؑ سے اس وقت تک چودہ سو سال کے قریب مدت میں مشرق اور مغرب کے حکماء والٰہیین کے تمام تحقیقات انہیں مسائل کے اندر گردش کرتے رہے ہیں جن پر امیر المومنینؑ نے اپنے کلام میں روشنی ڈال دی ہے اور آج تک علم ایک سر مو بھی اس کے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

ہم اس وقت سرکار مرتضویؑ کی ولادت کی چہاردہ صد سالہ یادگار کے موقع پر صرف ان مسائل کی فہرست مرتب کئے دیتے ہیں۔ اگر اس یادگار کے سلسلہ میں مشرقی اور مغربی افکار پر نظر رکھنے والوں کی ایک جمعیت بن جاوے جو اس فہرست کے مطابق فلاسفہ مشرق و مغرب کے افکار کو ان مسائل کے متعلق جمع کر کے ان پر تفصیلی تبصرہ کرے جس میں بلاشبہ امیر المومنینؑ کا کلام امام الکلام ہوگا جو تضاد و اختلاف سے پیدا شدہ تاریکیوں میں آفتاب حقیقت بن کر چمکے گا۔ یہ اس یادگار کے سلسلے میں ایک شایان شان کارنامہ قرار پا سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ دین کی پہلی منزل خدا کی معرفت ہے۔

۲۔ معرفت کے لئے تصور کافی نہیں بلکہ تصدیق کی ضرورت ہے۔

۳۔ کائنات عالم پر نظر اس کی تصدیق کا ذریعہ ہے۔

۴۔ ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور اس کے وجود کی ایک دلیل ہے۔

۵۔ وہ اس خلق کو نیستی سے ہستی میں لانے والا تھا اور اس کو دوبارہ نیست کرنے کے بعد باقی رہنے والا ہے۔

۶۔ وہ صرف کوئی قوت نہیں ہے جو کائنات کے اندر جاری وساری ہو بلکہ ایک ذات ہے جو اس کائنات سے بے نیاز طور پر موجود ہے۔

۷۔ اس نے کائنات کی ایجاد بغیر نمونہ و مثال کی۔

۸۔ اس نے مخلوقات کو ایسے اجزا سے جو ازلی و ابدی ہوں پیدا نہیں کیا۔

۹۔ اس نے پیدا کرنے کے لئے کوئی سانچا نہیں بنایا۔

۱۰۔ وہ اپنے افعال میں تجربات کا مرہون منت نہیں ہے۔

۱۱۔ اس کی کہنہ حقیقت کا پہچاننا غیر ممکن ہے۔

۱۲۔ عقل کا عاجز ہونا اس کے ادراک حقیقت سے خود عقل ہی کا فیصلہ ہے۔

۱۳۔ اس کی توصیف کے لئے الفاظ کا فقدان ہے۔

۱۴۔ بقدر ضرورت معرفت الٰہی کے ذرائع موجود ہیں۔

۱۵۔ مخلوقات کے نقائص خالق کے کمال کا پتہ دیتے ہیں۔

۱۶۔ اس کی ذات ہی ہے جو مرکز کمالات ہے، ذات کے علاوہ اس کے صفات نہیں ہے۔

۱۷۔ نہ اس کا کمال بضمیمہ صفات ہے اور نہ اضافات وتعلقات کی بنا پر۔

۱۸۔ اس کی تصدیق کا لازمی جز و اس کی وحدت کا اقرار ہے۔

۱۹۔ اس کا ایک ہونا گنتی کے اعتبار سے نہیں ہے۔

۲۰۔ وہ واحد اس معنی سے ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کی کثرت کا

شائبہ نہیں ہے۔
۲۱۔ وہ ازلی ہے، اس کے پہلے کوئی چیز نہیں۔
۲۲۔ وہ ابدی ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں۔
۲۳۔ وہ ایسا پہلا ہے جس کے پہلے کا تصور غلط ہے۔
۲۴۔ وہ ایسا آخر ہے جس کے بعد کا تصور غیر معقول ہے۔
۲۵۔ اس کے اوصاف میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان میں کمال کا پہلو اس کے لئے ثابت ہوتا ہے اور نقص کا پہلو نظر انداز۔
۲۶۔ وہ توانا اور زبردست ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے۔
۲۷۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔
۲۸۔ کائنات کا ہر ذرہ تسخیری طور پر اس کی اطاعت کر رہا ہے۔
۲۹۔ تمام مخلوقات اس کی روک تھام کے محتاج ہیں۔
۳۰۔ کائنات کی تخلیق اس کا طبیعی فعل نہیں ہے۔
۳۱۔ اس کی تخلیق کے معنی ترکیب اجزاء نہیں، بلکہ نیستی سے ہستی میں لانا ہے۔
۳۲۔ وہ قدرت وقوت میں دسترس سے بالا ہونے کے باوجود فیض وعطا کے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔
۳۳۔ وہ ہر دولت ونعمت کا بخشنے والا ہے اور ہر مصیبت اور سختی کا دور کرنے والا ہے۔
۳۴۔ وہ قریب ہے اور رہنمائی کا کفیل۔
۳۵۔ وہ کافی ہے اور مدد پر تیار۔
۳۶۔ کائنات کی خواہشیں اس کے پاس کے ذخیروں کو ختم نہیں کر سکتیں۔
۳۷۔ اسے اپنے کاموں میں تردد نہیں ہوتا۔
۳۸۔ اس کی قدرت خلق کائنات کے لئے کافی ہے، اس کے لئے مادہ کی ضرورت نہیں۔
۳۹۔ اسے اپنے مخلوقات کے انتظام میں کوئی زحمت پیش نہیں آتی۔
۴۰۔ اس کا علم تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔
۴۱۔ وہ غیب کی باتوں سے باخبر ہے۔
۴۲۔ اس کا علم کلیات وجزئیات کو حاوی ہے اور وہ ہر جزی سے جزی بات کا عالم ہے۔
۴۳۔ اس کا علم حدود زمان ومکان میں مقید نہیں ہے۔
۴۴۔ اسے اپنے کئے ہوئے فیصلوں اور طے کئے ہوئے مقدرات میں کبھی شک نہیں ہوتا۔
۴۵۔ اس نے اپنے مخلوقات کے لئے خود پیمانے مقرر کر لئے ہیں۔
۴۶۔ وہ سمیع ہے مگر آلہ سماعت سے نہیں۔
۴۷۔ وہ بصیر ہے مگر آلہ بصارت کے ذریعہ سے نہیں۔
۴۸۔ وہ زندہ قائم اور برقرار ہے۔
۴۹۔ اسے اپنے افعال میں غور وفکر کی حاجت نہیں۔
۵۰۔ وہ متکلم ہے مگر کلام اس کا فعل ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے۔
۵۱۔ وہ اپنے وعدوں میں سچا ہے۔
۵۲۔ اس کے تمام افعال واوصاف اس طرح ہیں کہ نتیجۂ صفت کو لے لیا جائے اور ذریعہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ ذریعہ کا تصور احتیاج کا مستلزم ہے۔
۵۳۔ متقابل صفات جیسے اول وآخر اور ظاہر وباطن اس میں بحیثیت تضاد نہیں، بلکہ بہ اختلاف اعتبارات ثابت ہیں۔
۵۴۔ خالق کے لئے مخلوقات پر قیاس کر کے حالات کا مقرر کرنا غلط طریقہ ہے۔
۵۵۔ وہ مخلوقات کے شکل وشمائل سے بری ہے۔
۵۶۔ اس کے لئے مخلوقات کی طرح اعضاء وجوارح مانے نہیں جا سکتے۔
۵۷۔ اس کی بڑائی جسامت کے لحاظ سے نہیں ہے کہ اس کے اطراف ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہوں بلکہ وہ شان کے لحاظ سے بڑا اور اقتدار کے لحاظ سے عظیم ہے۔
۵۸۔ اس کے لئے اتصال اور انفصال دونوں نہیں، اس لئے کہ یہ دونوں جسمانی صفتیں ہیں۔

۵۹۔اس کے لئے اجزانہیں ہیں۔
۶۰۔اس میں مختلف طاقتیں نہیں ہیں۔
۶۱۔اسے اپنے احکام کے اجرااور مخلوقات کے انتظام میں تھکن پیدانہیں ہوتی۔
۶۲۔وہ قلب وضمیر سے بری ہے۔
۶۳۔وہ پاس ہے مگر جسمانی اتصال کے طور پر نہیں۔
۶۴۔وہ دور ہے مگر مسافت کی دوری کے لحاظ سے نہیں۔
۶۵۔وہ نمایاں ہے مگر دکھائی دے کر نہیں۔
۶۶۔وہ پوشیدہ ہے مگر جسمانی باریکی کے اعتبار سے نہیں۔
۶۷۔اسے نیند نہیں آتی اور نہ غنودگی طاری ہوتی ہے۔
۶۸۔اس تک کوئی نگاہ کبھی پہنچی نہیں۔
۶۹۔عقل ہی کے ذریعہ سے وہ نمایاں ہے اور عقل ہی کے فیصلے کے مطابق وہ نظروں سے پنہاں ہے۔
۷۰۔اس کا جلال وکمال مانع رویت ہے، نہ کہ ہمارا نقص احساس۔
۷۱۔وہ کسی پردہ میں پنہاں نہیں بلکہ اس کے وجود کی حقیت ہی اس کے ظہور سے مانع ہے۔
۷۲۔اس کا یقین ایسا ہی ہے جیسا رویت کے ساتھ ہوسکتا ہے، مگر وہ رویت کے ذریعہ سے نہیں ہے۔
۷۳۔ اس کے آثار آنکھوں کے سامنے ہیں ، اور وہ عقلوں کے سامنے نمایاں ہے۔
۷۴۔ذات قدیم مرکب نہیں ہوسکتی اس لئے مرکب ہونا حدوث کی نشانی ہے۔
۷۵۔وہ کسی مکان میں محدود نہیں ہے۔
۷۶۔اشیاء کے محدود ہونے سے اس کا لامحدود ہونا ظاہر ہے۔
۷۷۔وہ کائنات کے اندر نہیں ہے۔
۷۸۔ چونکہ وہ کسی مکان میں محدود نہیں اس لئے نقل وانتقال کا تصور بھی اس کے بارے میں درست نہیں۔
۷۹۔ اس پر زمانے کی آمدورفت نہیں تاکہ اس کے حالات میں اختلاف پیدا ہو۔
۸۰۔وہ کیفیات سے بری ہے۔
۸۱۔اس میں تبدیلیاں نہیں ہوتی۔
۸۲۔اس کو کوئی مشغلہ محویت نہیں پیدا کرتا۔
۸۳۔وہ کسی میں حلول نہیں کرتا۔
۸۴۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
۸۵۔اس کا کوئی مثل نہیں۔
۸۶۔اس کا کوئی شریک نہیں۔
۸۷۔اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا۔
۸۸۔اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات کا ماننا اس میں کثرت کو تسلیم کرنا ہے جو توحید کے خلاف ہے اور اس صورت میں اس کا مرکب ہونا لازم آئے گا۔
۸۹۔اس کے تمام افعال واحکام عدل پر مبنی ہیں۔
۹۰۔وہ بندوں پر ظلم کرنے سے بری ہے۔
۹۱۔اس کے افعال میں وہ اغراض نہیں جو اس کی ذات کی طرف راجع ہوں۔
۹۲۔اس کے تمام احکام بر بنائے حکمت ہوتے ہیں۔
۹۳۔اس کے تمام افعال خیر ہیں ان میں شر کا گذر نہیں۔
۹۴۔اس کے مخلوق میں کوئی شئے ایسی نہیں جو نظام عالم کے لحاظ سے نامناسب ہو۔
۹۵۔اس کی تمام مخلوق ہر کجی اور نقص سے دور ہے۔
۹۶۔وہ دشمنوں سے غضبناک اور دوستوں کے ساتھ رحیم ہے، مگر یہ غضب اور رحمت کوئی طبیعی تقاضا نہیں بلکہ حکمت کا مقتضا ہوتا ہے۔
۹۷۔اس کا سزا دینا جذبۂ انتقام کی بنا پر نہیں ہوتا۔
۹۸۔ اس کی فیاضی کا انحصار سوال پر نہیں ہے بلکہ وہ ربوبیت کا مقتضا ہے۔
۹۹۔اس کا عطاوفیض کا روکنا بربنائے بخل نہیں، بربنائے

حکمت ہوتا ہے۔

۱۰۰۔ وہ ہمارے ذہنی تصورات میں محدود ومقید نہیں ہے۔

(ماخوذ از سرفراز لکھنؤ رجب نمبر فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۱ر تا ۱۳ر)

(۲) نغمۂ توحید

فلسفۂ جدیدہ اور صانعِ عالم کا وجود

عالم کون وفساد اور آسمان وزمین کی سرحد کے اندر اتنے کائنات ہیں جن کا شمار کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے لیکن ارباب تحقیق جہاں تک ان کی نظر پہنچ سکتی تھی اس کا تتبع واستقرا کرکے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تمام کائنات تین قسموں کے تحت میں مندرج ہیں۔ ایک قسم وہ کہ حیات رکھنے کے ساتھ ساتھ حرکت ارادیہ کی بھی مالک ہے، جس کی مثال میں خود انسان یا طیور ووحوش کو پیش کیا جاتا ہے اور اس کا نام حیوان ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ مبداء فیاض سے اس کو حیات عطا ہوئی ہے لیکن حرکت ارادیہ سے محروم ہے برگ وبار گل وریحان اس کا نمونہ اور اس کا نام نبات ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو حیات اور حرکت ارادیہ دونوں نعمتوں سے محروم ہے، جس طرح آگ، ہوا، پانی، مٹی اور اس کو جماد کہتے ہیں۔

کیمیاوی بحث وتحلیل کے بعد یہ خیال بھی قائم کیا گیا کہ حیوان ونبات وجماد تینوں قسم کے اجسام اس امر میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان کا ترکب ایسے جامد اور لاشعور مواد سے ہے جن میں ذاتاً حیات وحرکت کا فقدان ہے اور عالم کے کسی کیمیاوی طریقہ سے ان کا تجزیہ ناممکن ہے، انہی کا نام عناصر ہے اور تجزیہ نہ ہوسکنے کے سبب ان کو بسائط میں داخل مان لیا ہے۔

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہونا بعید نہیں کہ جب یہ عناصر اپنی ذاتی حیثیت سے حیات وحرکت ارادیہ سے محروم ہیں تو نبات میں حیات اور حیوان میں اس کے ساتھ ساتھ حرکت ارادیہ کہاں سے پیدا ہوتی ہے اس کے جواب میں ان حکما کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ حیات وحرکت ارادیہ عناصر کے خواص لازمہ میں سے نہیں ہے اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عناصر ذاتاً ان دونوں نعمتوں سے محروم ہیں۔ لیکن یہ دونوں عرض مفارق خاص شرائط واصول کے ماتحت ان عناصر کو عارض ہوتے ہیں مثلاً گیہوں کی اصل فطرت میں ایک مادہ حیات موجود ہے کہ جب اس کو مناسب زمین میں بودیا جائے اور خارجی حالات بھی موافق ہوں تو وہ مادۂ حیات اپنے کام میں مشغول ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ حیات معرض فعلیت میں آکر گیہوں کے دانوں میں سرایت کرجاتی ہے اور تھوڑے دنوں میں نمود تزاید کے برکات سے خاک کے پردہ کو چاک کرتی ہوئی بالیوں کی صورت میں ظاہر ہوکر ایک وسیع پیمانہ پر بنی نوع بشر کے رزق کا سامان مہیا کردیتی ہے۔

لیکن وہ گیہوں جن کو بویا گیا ہے اگر از اول ایسے ہوں جن میں طویل مدت گذرنے کے سبب مادۂ حیات فنا ہوچکا ہے تو لاکھ قوۃ جاذبہ اطراف وجوانب سے رطوبت کو جذب کرے لیکن کبھی ان میں نمود تزاید پیدا نہ ہوگا، کیونکہ خود یہ مادۂ حیات سے محروم تھے۔ اسی طرح ایک تازہ انڈے کو ردی کے پھلوں کے اندر ایک خاص مدت تک رکھ دیا جائے تو وہ کمزور مخلوق جو اس کے اندر ہے اپنی قوت حیات کے باعث نمو پیدا کرکے کچھ دنوں میں گوشت وپوست اور پروبال سے آراستہ ہوکر ایک صحیح وسالم طائر کی صورت میں اپنی کال کوٹھری سے نکل کر ماں باپ کے پیچھے دوڑنے لگے گا، لیکن اسی انڈے کو کچھ زمانے تک اگر کھلی جگہ پر ڈال دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ مادۂ حیات جو اس کے اندر ہے فنا ہوجائے تو پھر لاکھ کوششیں صرف کی جائیں کبھی اس میں ایک طائر پیدا نہیں ہوسکتا، آخر یہ مادۂ زندگی کیا چیز ہے اور حیات کا بھید کیا ہے؟ نمود تزاید کن اسباب کا نتیجہ ہے؟

حیات اجسام کا سرِّ غامض

ایک مسئلہ ایسا ہے جس کا حل کرنا دشوار ہوگیا اور یہاں پر عقل حیران ہوکر ٹھہر جاتی ہے۔ وہ اپنے تمام منطقی مقدمات اور قیاسی دلائل پر ایک نگاہ ڈال کر ان کو اس عقد لاینحل میں ناکارہ اور غیر نتیجہ بخش پاتی ہے، یہ اجسام کہ جن میں حیات وارادہ یا تنہا

حیات ودیعت رکھی گئی ہے کیمیائی وسائط کے ساتھ ان کی تحلیل کرڈالو اور موجودہ فلسفۂ عملیات کے تمام بہترین آلات سے ان کے شیرازے منتشر کردو تو چاروں عنصر بسیط ہوکر علیٰحدہ علیٰحدہ ہوجائیں گے لیکن وہ حیات کہ جو اس مجموعہ میں پائی جاتی تھی مفقود ہوجائے گی اور یہ عناصر مثل دیگر جمادات کے ایک بے حس ولاشعور جامد شئے نظر آئیں گے پھر اگر دنیا کے تمام آلات صرف کردیئے جائیں کہ یہ عناصر جس طرح پہلے تھے اسی طرح دوبارہ ترکیب دے دیئے جائیں تو یہ امر دشوار بلکہ محال ہے۔ عناصر سب موجود ہیں لیکن وہ حیات کہ جو ان میں مضمر تھی تحلیل کے بعد بالکل مفقود ہوگئی اور اس کا نشان تک بھی معلوم نہیں ہوتا اور نہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ جسم میں کس طرح قائم تھی اور اب کہاں چلی گئی؟

کیمیاوی آلات و ذرائع یہاں پہنچ کر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور سپر انداختہ ہوکر شکست کا اعتراف کرتے ہیں۔ اب انسان مجبور ہوکر دوسرے قسم کے اسباب تحقیق کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس راز کے معلوم کرنے کے لئے (مائکروسکوپ) چھوٹی چیزوں کو بڑا کرکے دکھانے والے آلہ سے بہتر کوئی چیز نظر نہیں آتی، یہ وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ موجودہ زمانہ میں بڑے بڑے مشکل ترین مسائل فلسفۂ طبیعت کے حل کردیے گئے ہیں اور وہ اسرار وغوامض دریافت کئے گئے جن تک فکر انسانی پہنچنے سے قاصر تھی، اس آلہ کی صنعت اس حد کمال تک پہنچ چکی ہے کہ ایک چھوٹی سی چھوٹی چیز ہزار ہزار درجہ بڑی ہوکر نظر آنے لگتی ہے، یقیناً حکمائے طبیعات کے لئے اس سے بڑھ کر راز حیات کے دریافت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان کو مجبور ہوکر اس آلۂ مکبرہ کے دامن میں پناہ لینا پڑی اور اس کی دستگیری سے اجسام کی رفعت وبناوٹ میں غور کرنا شروع کیا تو اتنا نتیجہ حاصل ہوا کہ ان تمام اجسام کے اندر جن میں حیات ودیعت رکھی گئی ہے ایسے موادو جراثیم پائے جاتے ہیں جو نہایت باریک اور شفاف رنگ سے خالی ہیں، لیکن طاقت ور ترین آلات مکبرہ سے طویل زمانہ تک غور کے بعد بھی ان جراثیم لطیفہ میں اعضا یا آلات نظر نہیں آئے، نہ ان کی شکل تمام اقسام نبات وحیوان میں یکساں نظر آئی۔ ہاں یہ دیکھا گیا کہ یہ جراثیم ایک مستمر نظام کے ماتحت متحرک ہیں اور ایک لحظہ بھی ساکن نہیں ہوتے اور متصل طور پر خارجی غیر ذی حیات عناصر کا استفادہ کرکے ان کو ایسے محیر العقول طریقہ سے ذی حیات بنادیتے ہیں کہ جس کا آج تک علمی دنیا کو انکشاف نہ ہوسکا پھر ان سے باریک خطوط اعصاب یا شریان یا استخوان یا عضلات کی صورت میں پیدا ہوکر ایک جال اعصاب وشرائین واستخوان وعضلات کا پھیل جاتا ہے لیکن اس صورت سے کہ جو ذرات استخوان بننے میں صرف ہونے والے ہیں ان سے ہزار کوششیں صرف کردی جائیں اعصاب تیار نہیں ہوسکیں گے، اسی طرح جو ذرات درخت میں برگ کی ایجاد کرنے والے ہیں کبھی ثمر کی صورت اختیار نہیں کرتے اور جن سے شگوفوں کی صورت گری ہوئی ہے، وہ شاخوں کی خلقت سے بے تعلق ہیں اور اسی پر تمام اجزائے حیوان یا نبات کا قیاس کیا جاسکتا ہے، لیکن حیرت کی اس وقت انتہا نہیں رہتی جب علمی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ برگ وگل شاخ وثمر اور حیوانات میں گوشت وپوست شرائین وعروق کے اصل مواد تمام اقسام نبات وحیوان میں بالکل یکساں ہیں اور حیات جسم کے ہر دور میں یہ یکساں طور پر باقی رہتے ہیں اور اکثر جو خارجی غذا ان مواد اصلیہ تک پہنچتی ہے وہ بھی واحد ہے لیکن باوجود اس کے عجیب قسم کا نظام مقرر ہے کہ بعض ذرات دوسرے ذرات کے عمل میں کوئی مزاحمت ودخل اندازی نہیں کرتے اور تقسیم عمل کے کام کو ایک منظم قانون کے ماتحت انجام دے رہے ہیں کہ ان تمام ذرات کی کارکردگی کا نتیجہ ایک تام الخلقہ درخت یا حیوان کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد جب ان ذرات نے اعضا کی خلقت کو تمام کردیا تو ان کو چھوڑ کر علیٰحدہ نہیں ہوجاتے، بلکہ خود مختلف حصوں پر منقسم ہوکر اس گوشت وپوست یا برگ وثمر وغیرہ میں منتشر ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جسم کے ہر ہر چپہ میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور کوئی حصہ جسم کا اگرچہ اس کا ہزارواں جز

ہوں ذرات یا جراثیم سے خالی نہیں ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ ان کثیر التعداد جراثیم حیات کا تکون بھی اصل میں کچھ ذی حیات ذرات سے ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اصلی ذرات میں حیات کہاں سے آتی ہے؟ اور آس پاس کے غیر ذی حیات مواد پر یہ حیات کا فیضان کس طرح کرتے ہیں؟ اور کس اصول کی بنا پر یہ بعد میں کثیر حصوں پر منقسم ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں اور کس عنوان سے پوری دقت اور امتیاز کے ساتھ تقسیم عمل کے فرض کو انجام دے کر مختلف النوع اجزائے بدن کی تکوین میں حصہ لیتے ہیں باوجودیکہ ان کی حقیقت ماہیئت خواص سب یکساں ہیں؟ یہاں پہنچ کر تمام خداوندان حکمت اور سائنس کے پر ستاروں کو سر عجز خم کر دینا پڑتا ہے اور اعلان کرنا ہوگا کہ بے شک ہم راز حیات کو نہیں سمجھتے اور اسرار زندگی کا دریافت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حیات ان ذرات کا لازم ذات ہے، کیونکہ موت کے بعد بھی ذرات باقی ہیں لیکن حیات رخصت ہو جاتی ہے بلکہ ماننا پڑے گا کہ حیات ان میں ایک خارجی عرض ہے جو کسی مبداء فیاض سے ان کو عطا ہوتا ہے اور پھر سلب کر لیا جاتا ہے خود یہ ذرات قدیم بھی نہیں ہو سکتے، ان کی ہر ہر آن کے تغیرات اور نہ ٹھہرنے والی استمراری حرکت ان کے حدوث کی ذمہ دار ہے۔

ماننا پڑے گا کہ ان ذرات کو حیات عطا کرنے والی ایک ہستی ہے جس کی قدرت تمام ذی حیات موجودات کو احاطہ کئے ہوئے اور عالم طبیعت کے زمام اختیار کی پورے طور پر مالک ہے۔

کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حیات کسی قدرتی تخلیق و ایجاد کی ممنون احسان ہے اور ہر معلول کے لئے علت، ہر عمل کے لئے عامل کی ضرورت ہے، اس مسلمہ کی بنا پر ذی حیات اشیا کی روح زندگی ایک خدائے حی و قادر و حکیم کے وجود کی گواہ ہے۔

معیار عقل کا موازنہ

جو اشخاص پیرس وامریکہ اور جرمن کے کارخانوں میں گئے ہیں اور طرح طرح کی مشینیں اور انجن ان کی نظر سے گذرے، ایک مشین ایسی جو گیہوں پیستی ہے، آٹا گوندھ کر روٹی تیار کرتی، کوئی مشین کاغذ چھاپ کر اس کو تہ کرتی اور ان پر جدول کے خطوط بنا دیتی ہے، نیز مختلف قسم کے موٹر، ہوائی جہاز، تحت البحری کشتیاں وغیرہ وغیرہ، ان کو از خود رفتہ و متحیر ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ انسانی صنعت و حرفت نے بڑی ترقی کی ہے اور سائنس و فلسفہ میں محیر العقول کارنمایاں انجام دیئے ہیں۔ اس موقع پر ان میں سے کسی ایک کے سامنے کہو کہ یہ مشینیں، انجن خود بخود تیار ہو گئے ہیں، یعنی لوہے اور لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خود سے مجتمع ہوئے اور ان میں ترکب پیدا ہوا جن سے مختلف پرزے موجود ہو گئے، جن کی ہیئت اور شکل جدا گانہ ہے، پھر ان پرزوں میں مخصوص وضع و قطع کے ساتھ ترکب پیدا ہوا اور ان سے مشینیں، انجن، طیارے سب کے سب حاصل ہوئے، پھر ان مشینوں نے طبقہ زمین کے نیچے سے کوئلہ کو جذب کیا اور ان میں آگ روشن کر دی اور کسی دریا یا چشمہ سے پانی کھینچ کر اپنے اندر جمع کر لیا اور وہ پانی اس آگ کی گرمی سے کھول کر بخار کی صورت میں بلند ہوا اور مشین کی کلیں ایک خاص وقت پر حرکت میں آئیں اور انہیں سے گیہوں پینے، آٹا گوندھنے، روٹی پکانے یا کاغذ چھاپنے، اس کو تہ کرنے، جدول کھینچنے کا کام انجام پا گیا اور اس دوران میں شروع سے آخر تک کسی انسان کا ہاتھ نہیں لگا ہے۔ اس کو پورے اطمینان کے ساتھ ہزاروں قسمیں کھا کر بیان کرو اور یقین دلانا چاہو تو دیکھو کہ سادہ لوح اور کم عقل اشخاص سے لے کر ایک بڑے فلسفی اور سائنس داں شخص تک کوئی بھی ان نتائج کے تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے بلکہ بعید نہیں کہ جنون اور ہذیان کے الزام کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ ہر طرف سے آواز بلند ہو جائے گی کہ کیوں کر ہو سکتا ہے، یہ حیرت ناک مشینیں خود بخود موجود ہو جائیں اور یہ عجیب و غریب حکم و اسرار سے مملو شکلیں بغیر کسی موجد کے پیدا ہو گئی ہوں۔ عقل و نقل دونوں اس خیال کی مخالفت کرنے میں متفق ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ دو اور دو سات کا تسلیم کرا دینا آسان ہے اس سے کہ مطبع کی مشین کا بغیر کسی موجد

کے تیار ہونا تسلیم کرلیا جائے اوراس بات کا یقین کرلینا کہ دو اور دو کا مجموعہ ستر ہوتا ہے سہل ہے لیکن اس کا ماننا کہ ہوائی جہاز اور زمین دوز کشتیاں طبعی تغیرات سے خودبخود موجود ہوگئی ہیں، بہت مشکل ہے۔

لیکن ان تمام مشینوں انجنوں کارخانوں کو اگر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کے مقابلہ میں دیکھا جائے جس کی آنکھ معمولی طور پر احساس بھی نہیں کرسکتی اور اگر ہزار حیوان ویسے یکجا کردیئے جائیں تو ایک رائی کے دانہ کے برابر جسمیت پیدا نہ ہوگی تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آلات کی صنعت کو کوئی نسبت اس صغیر ترین حیوان کی صنعت سے نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام حیوانات اور نباتات طبعی نشوونما سے خودبخود پیدا ہوگئے؟ اس پر ترقی کرکے ان حیوانات پر نظر کی جائے جن میں قدرت نے آنکھ کان ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا ودیعت کئے ہیں تو حیرت انگیز صنائع کا ایک عالم نظر آتا ہے، آنکھ اوراس کے چند در چند پردے اور عجیب وغریب ترکیبیں ایسی ہیں کہ اگر شرق وغرب عالم کے اختراعی آلات جمع کردیئے جائیں تو کمال صنعت اور استحکام فطرت میں ایک آنکھ کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

اگر تمام کرہ زمین کے علمائے صنعت وحرفت اور ارباب سائنس جمع ہوجائیں اور چاہیں کہ ایک بصارت رکھنے والی آنکھ کم سے کم پشہ کی آنکھوں کے مثل بنادیں اور اپنی پوری عمر اس کام میں صرف کردیں تو آخر میں تمام آلات اور اوزاروں کو آگ میں جھونک دیں گے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے کہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

محترم ناظرین! اس میں کوئی مبالغہ صرف نہیں کیا گیا ہے، بات یہ ہے کہ انسان اپنے گذشتہ دور عمر میں آج تک فلسفۂ حیات کو سمجھا ہی نہیں ہے اور نہ آئندہ ان رموز تک پہنچنے کی توقع ہے۔ انسان اس بات کے خیال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کرۂ آفتاب تک سیڑھی لگا کر پہنچنے کا سامان بہم پہنچالے گا لیکن اس بات کی توقع کے وجوہ نہیں پائے جاتے کہ وہ کسی وقت میں ایک دیکھتی ہوئی آنکھ یا سنتا ہوا کان ایک چھوٹے سے چھوٹا نشوونمو کے قابل حیوان پیدا کردے، پھر جبکہ انسان کے بنائے ہوئے معمولی مشینوں انجنوں کی نسبت اس بات کو تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ خود سے تیار ہوگئی ہوں بلکہ کسی مقتدر صناع کی محتاج ہیں تو یہ بے شمار ذی حیات موجودات جن میں سے ایک کے خلق کرنے سے تمام انسانی قویٰ اور افکار عاجز ہیں کیوں کر خودبخود موجود مانے جاسکتے ہیں۔

حقیقۃً یہ مسئلہ زیادہ بحث کا محتاج نہیں، مشہور علمائے فلسفہ جرمنی اور فرانسیسی اور انگریز اور امریکن اس بات پر متفق ہیں کہ حیات خودبخود نہیں بلکہ وسیع قدرت رکھنے والے خالق کی طرف سے ہے اور جو لوگ اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ حیات عناصر کے ذاتی جذب وانجذاب کا نتیجہ ہے وہ معدودے چند افراد ہیں اور وہ بھی اس بات کو حتم وجزم کے ساتھ نہیں کہتے بلکہ احتمال کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذی حیات کائنات سب کے سب تصریح کے ساتھ بتلاتے ہیں کہ ایک خالق قدیر ہے جس نے ان کو خلق کیا اور حیات عطا کی ہے، یہ مبحث ایسا نہیں ہے جس میں ہم کو زیادہ طول دینے کی ضرورت ہو بلکہ اس کے اثبات اور توضیح میں کوشش کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اس موقع پر ہم ایک اہم مسئلہ عقائد کے متعلق بحث کرنا چاہتے ہیں جس میں اس وقت شکوک و شبہات رکھنے والے کم تعداد میں نہیں ہیں، وہ یہ ہے کہ خالق حکیم نے اپنی اس مخلوق کو پیدا کرکے اس سے بے تعلقی اختیار نہیں کرلی ہے بلکہ ہر لحظہ میں فیض اس کا جاری ہے اور جب تک ایک ذی حیات کی حیات باقی ہے اس کا ارتباط مبداء فیاض سے ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ایک آن بھی فیض منقطع ہوجائے تو نظام عالم مختل اور جتنے ذی حیات ہیں سب فنا ہوجائیں اور عناصر کا مجتمع شیرازہ منتشر ہوجائے۔

سابق کے بیان سے معلوم ہوچکا ہے کہ تمام ذی حیات اجسام شفاف جراثیم سے مرکب ہیں اوران کی ترکیب تمام اقسام

نباتات وحیوان میں یکساں طریقہ پر ہے لیکن خود یہ جراثیم یا ذرات کیمیاوی طور پر چار بسیط عنصروں سے مرکب ہیں، آکسیجن، ہیڈروجن، نیٹروجن، کاربن، ان عناصر کے خواص وآثار پر اگر نظر کی جائے تو حقائق کا ایک عالم منکشف ہوجاتا ہے۔

حیات اور کیمیاوی اسرار

ڈاکٹر یعقوب صروف، یہ شخص مصر کے اکابر اہل فلسفہ و تحقیق میں شامل اور عالم صحافت میں خاص اہمیت رکھتا تھا، ۱۹۲۷ء میں مصر کے ہی اندر اس عالم کو خیر باد کہا، ایک تقریر میں عناصر کے خواص وآثار کو سائنس کی مشاہدات کی روشنی میں کمال توضیح کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ تقریر مصر کے مجلہ المقتطف میں شائع ہوئی وہ کہتا ہے، کاربن ایک بسیط عنصر ہے جس کی مختلف شکلیں ہیں جن میں سے مشہور کوئلہ ہے اور یہ سب کا سب آکسیجن میں جل جاتا ہے۔ ہاتھ میں ایک کوئلہ کا ٹکڑا لے کر، دیکھو۔ یہ ایک ٹکڑا ہے اس کوئلہ کا جو بالکل جامد اور سیاہ ہے، آکسیجن ایک لطیف عنصر ہے ہوا کی صورت، میرے ہاتھ میں جو دوشیشے ہیں ایک میں ہوا بھری ہوئی ہے اور دوسرے شیشہ میں آکسیجن ہے، ظاہری صورت میں، یہ دونوں یکساں ہیں اور کوئی فرق نہیں لیکن خواص کی حیثیت سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے جیسا کہ ذیل کے انکشافات سے تمہیں معلوم ہوگا، یہ کہہ کر ڈاکٹر موصوف نے ایک شمع روشن کی اور اس کو ایسے شیشہ کے اندر جو ہوا سے مملوتھا داخل کیا۔ اس کی روشنی دھیمی پڑ گئی اور ذرا دیر میں بجھ گئی اس کے متعلق تھوڑی سی تقریر کرنے کے بعد دوبارہ شمع روشن کی اور اس کو دوسرے شیشہ میں داخل کیا کہ جس میں آکسیجن بھرا ہوا تھا، اس شمع کی روشنی زیادہ ہوگئی اور لو بڑھ گئی اس کے بعد ایک کوئلہ کے ٹکڑے میں اپنے سامنے کے چراغ سے آگ دینا چاہی، مشکل سے ایک گوشہ میں اس کے ذرا آگ لگ گئی لیکن چراغ سے دور لے جانے کے بعد وہ آگ قریب تھا بجھ جائے فوراً اس کو آکسیجن والے شیشہ کے اندر داخل کیا، اس میں شعلے نکلنے لگے اور نمایاں روشنی ظاہر ہوئی، تیسری بار تھوڑی سی روئی ایک آہنی سلاخ میں لپیٹ کر آگ سے روشن کی اور آکسیجن کی بوتل میں اس کو داخل کیا، دفعتہ اس کی روشنی زیادہ ہوگئی۔ ان تجربوں کے واضح طور سے بیان کرنے کے بعد کہا کہ اب آپ حضرات کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ آکسیجن میں ذاتی طور پر یہ خاصہ ہے کہ وہ آگ سے روشن اجسام کو قوت پہنچا کر ان کی روشنی اور اشتعال کو زیادہ کردے۔ اگر موقع ہوتا تو میں آپ کے سامنے واضح کردیتا کہ آکسیجن اکثر دیگر اجسام کے جلانے کی بھی قوت رکھتا ہے اگر چہ وہ بذات خود بارد ہوں۔

ہیڈروجن بھی مثل آکسیجن کے شفاف عنصر ہے لیکن اس سے زیادہ سبک ہے اور اس کے خواص میں سے یہ ہے کہ آکسیجن کے ساتھ متحد ہونے کے بعد ان دونوں سے پانی پیدا ہوجاتا ہے، دنیا میں جتنا پانی ہے خواہ دریا میں یا کنوؤں کے اندر یا ابر کے دامن میں ضرور ان دوعنصروں سے مرکب ہے، ہیڈروجن اور آکسیجن۔

چوتھا عنصر نیٹروجن یہ بھی سابق دوعنصروں کی طرف شفاف اور لطیف ہے، لیکن اس کے خواص وآثار ان دونوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ آکسیجن کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے اور ان دونوں کے اتحاد سے سخت ترین تیزاب تیار ہوجاتا ہے جن میں سب سے شدید وہ تیزاب ہے جو چاندی اور اکثر معادن کو گلا دیتا ہے اور جاندار اشیاء سے قوت حیات کو فنا کردیتا ہے۔

سابق کے بیانات سے معلوم ہوچکا ہے کہ ذی حیات اجسام کے جراثیم انہیں چار عنصروں سے مرکب ہیں لیکن جب ان عنصروں کے خواص وآثار پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی ہی مرتبہ اگر آکسیجن ہیڈروجن کے ساتھ متحد ومخلوط ہوجائے تو اس سے صرف پانی پیدا ہوسکتا ہے اور اس صورت میں نیٹروجن وکاربن بالکل بے تاثیر ہوجائیں گے اور اگر کاربن آکسیجن کے ساتھ متحد ہوجائے تو اس میں بالکل جل کر ایک خاص قسم کے زہر کی صورت اختیار کرلے گا، اسی طرح اگر کو یوں

اور ہائیڈروجن میں اتحاد پیدا ہوجائے تو ایک جل اٹھنے کے قابل مادہ اس سے تیار ہوگا اور اگر کہیں نائٹروجن و آکسیجن میں اتحاد ہوگیا تو ایک سخت ترین تیزاب موجود ہوسکے گا، اب اگر ان چاروں عناصر کو متحد کردیا جائے تب بھی مذکورہ بالا اشیاء کے سوا کسی چیز کا حاصل ہوجانا ناممکن ہے، پانی ہو یا زہریلا گیس یا قابل اشتعال مادہ یا تیزاب یہ سب روح حیات سے معرا ہیں اور ان میں زندگی کا پتہ نہیں بلکہ اکثر ان میں سے زندگی کے دشمن اور اس کو فنا کردینے والے ہیں، پھر کون وہ ہستی ہے جو قانون طبیعت کی مخالفت کرتے ہوئے ان چاروں عناصر کو ترکیب دیکر ایک ذی حیات شئے کو موجود کردیتی ہے اور ہمیشہ اس کے نظام ترکیب کی نگہداشت کرتے ہوئے اس کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے روکتی رہتی ہے کہ جس کے سبب اس کی ترکیب میں خلل نہیں واقع ہوتا اور جو اصول مقرر کردیا گیا ہے اس سے یک سر مو تجاوز نہیں ہوتا؟ اور کون وہ ہے جس نے ان جراثیم کو اتنی قوت عطا کردی ہے کہ وہ نبات میں نبات، طائروں میں طائر، انسان میں انسان کی تخلیق کرسکیں اور کون ان کے اعمال کی نگہداشت کرتا ہے کہ کبھی اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ جب کہ فلسفہ نے طے کردیا کہ یہ جراثیم ذاتاً یکساں ہیں اور ان کی ترکیب بھی تمام اقسام حیوان و نبات میں ایک ہی طرح پر ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک نباتی جسم کے جراثیم سے کسی حیوان کی اور ایک طائر کے جراثیم سے کسی انسان کی خلقت نہیں ہوتی؟ کون شخص ہے جو عالم طبیعت سے بالاتر ایک ہستی کے وجود اور اس کے ہمہ اوقات نظام حیات کی نگہداشت کا انکار کرسکتا ہے؟ سچ بتاؤ اگر عنایت الٰہیہ اور خدائی نگہداشت نظام عالم کے بقا کی ذمہ دار نہ ہوتو کیا نہیں ممکن کہ ہوا کا آکسیجن تمہارے جسم کو جلادے جس طرح لوہے کو جلا کر اس نے سیاہ بنادیا ہے؟ کیا نہیں ممکن کہ خود تمہارے جسم کا آکسیجن ہیڈروجن کے ساتھ متحد ہوجائے اور اس کے وجہ سے جسم کا اکثر حصہ پانی ہوکر بہ جائے، کیا نہیں ہوسکتا کہ آکسیجن تمہارے جسم کا نائٹروجن کے ساتھ متحد ہوکر ایک تیزاب کی صورت اختیار کرلے اور جسم کو گلا کر فنا کردے، اگر نظام خلقت طبیعی تغیرات کا پابند تو قطعاً یہ سب کچھ ممکن ہے، پھر اگر خدائی حفاظت ورعایت نہ ہوتو جسم کے جراثیم کو اس بات سے کون روک سکتا ہے کہ وہ صرف گوشت کی تکوین کریں، اس وقت پورا جسم گوشت بن جائے گا کہ جس میں ہڈی کا پتہ نہیں یا صرف ہڈی کی خلقت ہو کہ تمام جسد صرف ہڈی کا بن جائے جس میں گوشت کا نشان نہیں یا صرف خون پیدا ہوا اور پورا جسم ایک خون کا ٹکڑا بن جائے جو کچھ ہی دن میں متعفن ہوکر دور دور کے لوگوں کو اذیت پہنچانے لگے، کیونکہ فلسفی تحقیقات نے ان جراثیم کے طبیعی خصوصیات کو متحد بتایا ہے۔ ان کے تاثیرات میں گوناگوں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ پورا نظام ایک مقتدر مصلحت میں خالق کے ہاتھ میں ہے جو تمام عناصر و جراثیم کو اپنے ارادہ کے مطابق ترکیب دیتا ہے، حرکت میں لاتا، موجود بناتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔

نظام حیات اور خدائی نگہداشت

بعض اشخاص کا خیال ہے کہ خدا بڑی بڑی چیزوں کی طرف توجہ رکھتا ہے لیکن چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزیں اس کی نظر توجہ سے خارج ہیں، اگر ان لوگوں کے خیال کو صحیح مان لیا جائے تو چاہئے کہ جراثیم حیات خدا کی نظر التفات سے محروم ہوں کیونکہ عالم کون کے موجودات میں یہ سب سے زیادہ چھوٹے ہیں حالاں کہ ہمارے سابقہ بیانات سے معلوم ہوگیا کہ اگر ایک تھوڑے زمانہ کے لئے بھی خدائی نگہداشت ان اشیا سے علیٰحدہ ہوجائے تو نظام عالم خراب ہوجائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک زمین میں گیہوں کی زراعت کرے، اس میں سے سانپ بچھوں پیدا ہوں اور انگور کے درخت بوئے ان کے عوض زہریلے جانور موجود ہوں اور کسی عورت سے شادی کرے لیکن اس کے بطن سے چوہے، چھپکلی پیدا ہوں اور انسان گھوڑے پر سوار ہوں اس کے زیر ران ایک مرتبہ بندر کی صورت اختیار کرلے۔ ناظرین اس کو مذاق پر محمول نہ کریں بلکہ تمام جراثیم

کی طبیعت و ماہیت متحد ہونے اور کسی بااقتدار منتظم کے زیرنگرانی نہ ہونے کا لازمہ یہی ہے، کون ذمہ دار ہوسکتا ہے کہ گیہوں بونے پر گیہوں ہی کے کھیت پیدا ہوں اور انگور کے درخت سے یہی میوہ ظاہر ہو اور عورت کے شکم سے آدمی ہی کا بچہ پیدا ہو، جبکہ جراثیم ان سب کے متحد ہیں اور کوئی خارجی حکیمانہ طاقت اس نظام کی برقرار رکھنے والی بھی نہیں ہے۔ خدائی نظام قدرت کے انکار کرنے والے بہت کوشش سے ایسی شاذونادر مثالوں کے دریافت کرنے کی زحمت اٹھاتے ہیں جہاں اس قسم کے عجیب وغریب اتفاقات پیش آگئے ہیں کہ عورت کے شکم سے جانور کا بچہ پیدا ہوا اور زراعت کے بونے پر دوسری جنس کی چیز پیدا ہو لیکن ان شاذونادر مثالوں کو عالم کے مقرر اور باضابطہ نظام کے مقابل میں جب کالعدم پایا جاتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ عالم کسی قادر و حکیم ہستی سے خالی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ خلاف قانون فطرت مثالیں شاذونادر نہ ہوتیں بلکہ کوئی مقرر نظام پایا ہی نہ جاتا جن کی بنا پر ان مثالوں کو خلاف عادت کہا جاسکے، یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ عالم ایک نظام عمل اور مقرر اصول کے تحت میں ہے، رہ گئیں مذکورہ شاذونادر مثالیں، ان کو بھی اسی قادر وخلاق ہستی کے مظاہر قدرت کا ایک نمونہ سمجھنا چاہئے۔

مبداء اعلیٰ کا انکار کرنے والے مذکورۂ بالا شاذونادر مثالوں سے جب اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے تو ان کو مادہ اور طبیعت ہی کے اندر کسی ایسے سبب کی تلاش ہوئی جو تمام نظام عالم کو ایک مقرر اصول پر چلانے کا ذمہ دار ہو لیکن اب تک تو کسی ایسے سبب کا پتہ نہیں لگا ہے۔ خدا کو (بزعم خود) تخت حکومت سے اتار کر دوسرے کی جستجو میں سرگرداں پھر رہے ہیں مگر ابھی تک اپنے مقصود میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ آئندہ کبھی کامیاب ہوسکتے ہیں۔ تعالیٰ عما یقول الملحدون علواً کبیراً تعصب کا کوئی علاج نہیں اور ہم ایسے افراد کو ان کے حال پر چھوڑنے کے سوا کیا کرسکتے ہیں۔ خداوند عالم خود مظاہر جبروت وعزت کے ذریعہ سے ایک دن اپنی ہستی کو منوادے گا اور اس وقت خواب غفلت سے بند آنکھیں کھل جائیں گی لیکن جو کچھ اب تک بیان کیا گیا وہ ایک انصاف پسند طالب حق کے سامنے اس امر کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ عالم امکان کا ایک مدبر موجود ہے جو اپنی قدرت و اختیار سے اس کے نظام کو درست رکھتا اور اپنے ارادہ و حکمت سے ان میں تصرف کرتا رہتا ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر زمانہ میں بنی نوع بشر کا اعتقاد ایک خدائے معبود کی ہستی اور اس کی پرستش کے متعلق قائم رہا ہے۔ اگر ذرا دقیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ عالمگیر اعتقاد خود فطری حیثیت رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس اعتقاد کے وجوہ کو تلاش کیا جائے تو نقطۂ خیال تین باتوں پر ٹھہر جاتا ہے، یہ اعتقاد طبیعت انسان کے فطری خواص وآثار میں سے ہے یا ایک منطقی نتیجہ ہے جس کو دلیل کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے یا کسی ربانی پیغام کا نتیجہ ہے جو وحی کے ذریعہ سے ان پر اتارا گیا ہے، اور اگر کہا جائے کہ فطرت کا لازمہ ہے تو وہی ہستی جس نے اپنی معرفت کو ان طبائع کے آب وگل میں داخل کردیا ہے ان کی خالق و مدبر ہے اور وہ اپنی آپ گواہ ہے۔ اور اگر کسی منطقی قیاس کا نتیجہ ہے تو ہم کو بھی ان مقدمات عقلیہ کی تلاش کرنا چاہئے جن کے سامنے مبداء عالم سے لے کر آج تک ہر ہر زمانہ کے کروڑوں عقلاء نے سر تسلیم خم کردیا ہے، غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ عقلی براہین کسی فلسفی کتاب یا منطقی قواعد کے پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ صفحۂ کائنات کا ہر نقش اور عالم ایجاد کی ہر پتی اپنے خالق کے وجود پر بہترین برہان ہے۔

اور اگر خدا نے خود کسی نامعلوم پیغام کے ذریعہ سے اپنی ہستی کو واضح کیا ہے تو بھی قابل تسلیم ہے اور انکار کی گنجائش نہیں۔

جس طرح خداوند عالم کی ہستی اور اس کا وجود مذکورۂ بالا ادلہ وبراہین سے ثابت ہوگیا، اسی طرح یہ امر بھی کہ ہر مخلوق اپنے دور حیات میں اس کے زیر نظر اور تحت حمایت ہے اور کوئی سکینڈ

ایسا نہیں جس میں وہ اپنے مخلوقات کے نظام سے بے تعلق ہو۔

اس سے ایک بہت اہم اخلاقی نتیجہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ انسان ہر وقت اپنے خالق، مدبر، مالک کے زیر نظر ہے تو اس کو کیسا انسان ہونا چاہئے؟ یاد رہے کہ عالم کی فلاح وصلاح اس عقیدہ میں مضمر ہے، بنی آدم کی بہترین اصلاح کا راز یہی ہے، ہر فرد بشر کے ذہن میں راسخ کردو کہ خالق قہار اس کے اعمال کا نگراں ہے، حکام کے دلوں میں راسخ کردو کہ خدا ان کے اعمال کا نگراں ہے، جبر وظلم دنیا سے اٹھ جائے گا۔ تاجر کے دلنشیں کردو کہ خدا اس کی ہر نقل وحرکت کا نگراں ہے، معاملات میں مکر وفریب ناممکن ہے۔ تمام دنیا کو حقیقی معنی میں سمجھا دو کہ خدا ان کے عمل کا ناظر ہے تو فتنہ وفساد، مکر وفریب کا نام ونشان نہ رہے گا۔

درحقیقت خدا کے وجود وقدرت کا انکار تمام معاصی و فسادات کا ذمہ دار ہے۔ اسلام نے توحید وعظمت باری کا علم بلند کرکے دنیا سے خلاف آئین فطرت اعمال وافعال کا سد باب کرنا چاہا ہے عالم حقیقی طور پر مسلمان ہوجائے تو دنیا امن وامان کا گہوارہ اور فلاح ونجات کا مرکز بن سکتی ہے، غیر مسلمین اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور مسلمان حقیقی عقائد اسلام کو پورے طور پر دلنشیں کرکے اس کے احکام کا اتباع کریں۔

دنیا سے فتنہ وفساد کا قلع قمع اور امن وامان کا دور دورہ اسی میں مضمر ہے۔ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔**

علی نقی النقوی، از نجف اشرف، عراق

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ نومبر ۱۹۲۹ء)

(۳) خدا اور قدرت

کہا جاتا ہے کہ 'ہستی' کو منظم کرنے والی قوت کا نام قدرت ہے۔ اسی کو خدا کہا جاتا ہے۔ یہ بغیر جسم کے ظاہر ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ لامکاں بھی نہیں ہے۔ اس کی جگہ ہر شے میں ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔ وہ ہر جسم میں جان، روح، قوت، کشش، روشنی، حرارت، کیفیت کی طرح فرو کش ہے فرق اتنا ہے کہ مذکورۂ بالا اشیاء جسم کے منظم ہونے سے پیدا اور غیر منظم ہونے سے ناپید ہوجاتی ہیں اور قدرت (جسم منظم ہو یا غیر منظم، کتنا ہی متغیر کیوں نہ ہوجائے) بہر صورت جز جز میں موجود رہتی ہے اور جسم کے ذرہ ذرہ کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ قدرت کو نیکی، بدی، تکلیف و راحت، فراغت، فلاکت سے کچھ واسطہ نہیں۔ وہ بے نیاز، وہ شخصی فرمانروا کی طرح خودرو، خودسر اور لاپرواہ ہے۔ اس کے تمام فطری احکام قضا کی طرح اٹل ہیں۔''

خدا اور قدرت کو اگر اسی طرح مانا جائے تو کیا نقصان ہے؟

جواب

جن چیزوں کی ہستی کو منظم کرنے والی قوت کا نام قدرت ہے، ان کی ہستی سے پہلے اس قوت کا وجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ چیزیں عالم ہستی میں آئیں ہی کس وجہ سے؟ کیونکہ ان کے پہلے ہستی کو منظم کرنے والی طاقت جس کا نام قدرت ہے اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور اگر ان اشیاء کے پہلے اس کا وجود ہے تو اس کی ہستی ان تمام اشیاء سے بے نیاز، ان سے الگ اور ان سے مقدم ہوگی۔ وہ بغیر جسم کے ظاہر نہیں ہوسکتی یعنی اس کے آثار کا ظہور بغیر جسم کے نہ ہوتا ہو، مگر اس کا ثبوت وجود جسم پر موقوف ہرگز نہیں ہے اور جبکہ وہ تمام اشیاء کے پہلے ہے تو بالضرورۃ لامکاں ہے، کیونکہ مکانات اس سے موخر ہیں ''خدا'' کی لفظ کی اگر کوئی من مانی اصطلاح نئی مقرر کرتا ہے تو یوں کہیے کہ ''اسی کو میں خدا کہتا ہوں'' لیکن یہ کہ اسی کو خدا کہا جاتا ہے'' غلط ہے۔ اہل مذہب جو ''خدا'' کی اصطلاح کے مقرر کرنے والے ہیں وہ ہرگز اس قوت کو خدا نہیں کہتے جو ہر جسم میں جان، روح، قوت، کشش وغیرہ کی طرح فرو کش ہے۔

یہ صفات کہ وہ قوت جسم منظم ہو یا غیر منظم کتنا ہی متغیر کیوں نہ ہوجائے بہر صورت جز جز میں موجود رہتی ہے اور جسم کے ذرہ ذرہ کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتی ہے، وہی ہیں جو لا مذہب مادیین ذرات مادہ کے لئے قوت جذب و دفع کی صورت میں ثابت

کرتے ہیں ۔ یہ کہ اس قوت کے آنکھ نہیں جو دیکھے، کان نہیں جوفریاد سنے، دل نہیں جو پسیجے یا ترس کھائے ۔ اس کا دوسرا مطلب یہی ہے کہ وہ بے شعور اور بے ادراک ہے۔ یہ بھی مادہ کی صفت ہے پھر خواہ مخواہ اسے ''خدا'' کے نام سے یاد کر کے اہل مذہب کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ اس کے پہلے ''آئینہ حقیقت'' میں صاف عالم و دانا ہونے کی صفت خدا کے لئے ثابت کی گئی ہے۔

ممکن ہے کہ یہ اب ترقی کا دوسرا قدم ہو کہ اس کی دانائی کا انکار ہو رہا ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اس قوت کے معنی جبکہ وہی ہیں جسے مادی لوگ مادہ کے لئے ثابت کرتے ہیں تو اسے ''شخصی فرمانروا کی طرح خودرو، خود سر اور لا پرواہ اور اس کے فطری احکام'' کہنا شاعری ہے اور سب مجازی الفاظ ہیں، ورنہ حقیقت میں وہاں کی ایک مشین کی سی طاقت کے اثرات ہیں۔ فرمانروائی ، خودسری ، خودروی اور لاپرواہی اور فطری احکام کے الفاظ سب شعور و ارادہ کا پتہ دیتے ہیں اور اس قوت میں کہ جو ہر ہر ذرہ میں موجود ہے شعور کا جو ہر مفقود ہے اور اگر سچ مچ شخصی فرمانروا کی طرح اس کے احکام میں خودروی اور خودسری اور لاپرواہی کے ساتھ سہی فرمانروائی کا جوہر ہے تو پھر اسے شعور و ادراک سے عاری ماننا درست نہیں۔ وہ شخصی فرمانروا کی طرح خودرو، خودسر اور لاپرواہ ان معنی سے ہے کہ وہ کسی کا محکوم اور کسی کے منشاء کا پابند نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے اپنی ذاتی علم و دانائی اور حکمت و ادراک سے۔ اور اسی لئے اسے خودرو، خود سر اور لاپرواہ ہونا چاہئے کیونکہ دوسرا نہ طاقت میں اس سے بالا، نہ علم و حکمت میں اس سے اونچا ہے۔ پھر وہ کسی دوسرے سے دبے تو کیوں اور پرواہ کرے تو کس لئے؟

بے شک رونے پیٹنے، چیخنے ، چلانے سے حالات میں تبدیلی ہوتی ہے جبکہ نظام عالم کی حکمت میں اس چیخنے اور چلانے کا کوئی دخل ہو، تب پھر خود فطری احکام کا نتیجہ اس کے مطابق فیصلہ کا متقاضی ہے۔

پھر بھی آخری فیصلہ قضا کی طرح اٹل ہے۔ خدا اسی عالم و دانا فرمانروا کا نام ہے۔ اس کے سوا جو ہو وہ خدا نہیں ہے۔ کچھ اور ہوسکتا ہے۔

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ اگست ۱۹۴۳ء)

❁❁❁

(بقیہ صفحہ ۲۶ کا۔۔۔۔۔۔(تناسخ پر مختصر بحث)

آ کر اس گناہ سے بچنا چاہے جس کی پاداش میں وہ پتھر کے اندر مقید کر دی گئی تھی تو نہیں بچ سکتی اس لئے کہ اسے ذاتی طور پر اس کا کوئی علم و یقین نہیں کہ کس گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس نے حجری پیکر اختیار کیا تھا۔

بہر حال اس سزا و جزا کا کیا فائدہ جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ کس جرم کی بناء پر سزا مل رہی ہے اور کس نیکی کی بناء پر یہ راحت میسر ہوئی ہے۔ اس طرح تو معاد کا اصل منشاء ہی فوت ہوا جاتا ہے اور تعزیر و انعام کی غرض و غایت باقی نہیں رہتی۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں بعض گناہوں کی سزائیں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ کون کون سے گناہوں کی پاداش میں روح کون کون سے قالب میں منتقل ہوئی ہے۔ مثلاً سادھو کے قتل کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو مرنے کے بعد گائے کا جنم دیا جائے، غلہ کے چور کو چوہا بنا دیا جائے اور پانی کا چور مینڈک کا جسم اختیار کر لے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب باتیں عقیدے کے طور پر بتائی گئیں ہیں، ان پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہوتی اور نہ ان سے وہ اعتراضات رفع ہوتے ہیں جو عقیدہ تناسخ پر عقلی حیثیت سے وارد ہوتے ہیں اور جن کو میں مندرجہ بالا سطور میں مختصراً واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۷۷ رصفر ۱۳۶۰ھ)

❁❁❁